''اسیری سے امیری''

پروفیسر ڈاکٹر طاہرہ اقبال

Prof. Dr. Tahira Iqbal

Chairperson, Department of Urdu,

Govt. College Women University, Faisalabad.

Abstract:

Armed life is considered as the life of sturggle and thrill. Maj. Shahnawaz being the part of Pak Army, also lead a life, full spirit and enthusiasm. His autobiography, "Aseeri se Ameeri" (From prison to Wealth) is manifestation of changing phases of his life. This artical is an effort to graspe the subjective analysis of said autobiography.

ہر شعبہ زندگی کی طرح ادیبوں کی بھی کم از کم دو قسمیں ضرور ہیں ایک وہ جو پھلجھڑی کی طرح یکبارگی چکا چوند کرتے اور اکثر اوقات اسی سرعت سے بجھ بھی جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو قدم قدم بڑھتے اور چپہ چپہ سفر طے کرتے اک عمر بتا دیتے ہیں اور آخر معتبر ٹھہرتے ہیں۔ غضنفر علی ناطق بھی اسی دوسری قسم کے لکھاریوں میں شامل ہیں ایک لمبا عرصہ انھیں ریاضت کرتے اور بتدریج ادب کے شکر دانے چنتے اور جمع کرتے دیکھا ہے ان کا مرتب کردہ مسودہ ''اسیری سے امیری تک'' اس وقت میرے سامنے ہے جو ایک سوانح عمری کی شکل میں ہے۔ سوانح عمریاں کیوں اور کن لوگوں کی لکھی جانی چاہیں یہ ایک بڑا استفہامیہ اور بحث طلب موضوع ہے۔

ہر شخص کے لیے اس کی اپنی زندگی اہم، منفرد اور خاص ہوا کرتی ہے۔ کہ اس کے دکھ سکھ اس نے خود جھیلے ہوتے ہیں لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ دکھ سکھ دوسروں کو متاثر کرنے، کوئی نئی راہ دکھانے یا دلچسپی پیدا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لکھنے کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ راوی کی یادداشتوں کو قلم بند کیا جائے۔ زیرِ نظر مسودہ اسی نوع کی آپ بیتی ہے۔ میجر شاہ نواز الحسن کی یادداشتوں کو غضنفر علی ناطق نے سپردِ قلم کیا ہے ''اسیری سے امیری تک'' ایک فوجی کی زندگی کا مدوجزر ہے۔ فوجیوں کے حالات زندگی اور ہم لوگوں کے حالات زندگی میں وہی فرق ہوتا ہے جو سیویلین کالونی اور کینٹ میں ہوا کرتا ہے۔ کسی فوجی کی آپ بیتی پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم کینٹ کے علاقے میں داخل ہو گئے ہیں۔ ہر سمت نظم و ضبط اصول و قواعد پابندیاں، حدود و قیود، ڈھکا چھپا پوشیدہ اور نتیجتاً مقدس اور وہ بھی خائف کرنے والا مقدس۔ فوج اور مذہب میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے۔ وہی خوف اور محبت کی رومانویت۔ گویا فوجی بھی کوئی خدائی نہیں، خلائی نہیں تو غیر مرئی سی مخلوق ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ نوعمر لڑکے لڑکیوں کے خوابوں کی کواڑوں پر دستک دیتے اور پھر کہیں خلاؤں میں چھپ جانے والے۔ ایسے کسی شخص کی کتاب زندگی کو کھول کر پڑھنا ایک دلچسپ تجربہ ہے۔

اگرچہ یہ تجربہ کرنل محمد خان، شفیق الرحمٰن ضمیر، جعفری وغیرہ نے نہ صرف دلچسپ بلکہ پرتفنن بھی بنا دیا ہے۔ لیکن اس

کے باوجود اس زندگی کا تصور کرتے ہوئے کسی مورچے میں جھانکنے کا سا احساس ضرور ابھرتا ہے۔ اسی احساس کے ساتھ اس کتاب ''اسیری سے امیری تک'' کو کھولا تو ایک عام شخص کی زندگی کے عوامی سے بچپن اور جوانی کی عمومی سی تصویر موجود تھی لیکن یہ عمومی تصویر خصوصی اس وقت ہوگئی جب راوی کاکول اکیڈمی میں بطور کیڈٹ بھرتی ہوجاتا ہے تو ہمیں بھی خاردار تاروں کے پیچھے جھانکنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

ملٹری کی مخصوص زندگی، ٹرمز، لطیفے، سختیاں اور سہولتیں سب اتنی دلچسپ کہ کتاب ہاتھ میں لو تو ختم کیے بنا اس سحر سے نکلا نہ جاسکے اور ختم کرنے کے بعد ایک رومانی کرب ہمیشہ ہمراہ ہوجائے یعنی ۱۹۷۱ء کا وہ خونی سال جواب بھی ہر سال چلا آتا ہے اور فوجی بوٹ پہنے آہنی دھمک سے ہمارے دلوں کو روندتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس سال کو مشرقی پاکستان میں گزرتے ہوئے دیکھنا اور پھر بنگلہ دیش کی شکل میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھنا چاہے ایک سانحہ ہے۔ لیکن تاریخ بھی ہے اور تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ اس آپ بیتی میں بہت کچھ ایسا ہے جو اکثر ریٹائرڈ فوجی اپنی یاداشتوں میں تو اعتراف کرتے ہیں لیکن دوران ملازمت ڈسپلن کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

اس کتاب میں اس ایک سال میں وہ حساب چکتا نظر آتا ہے۔ جو برسوں کے اجتناب کی سزا ہے۔ اس ایک سال کے پل پل کو ''اسیری سے امیری تک'' مسلسل پسپائی کا سفر کرتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں اور مصنف کی حالت ریاض مجید کے اس مصرعے کی تفسیر بن جاتی ہے۔

میں بہادر ہوں مگر ہارے ہوئے لشکر میں ہوں ناکارہ اسلحے اور زائد المیاد توپ خانے سے لڑی جانے والی جنگ جو محض جذبے سے جیتی نہ جاسکی اور اس اٹل حقیقت کو پھر باور کروا گئی کہ جنگیں اور لڑائیاں کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتیں۔ مذاکرات کی میز پر اگر ہم مشرقی پاکستان ہار بھی دیتے تو ہمارے درمیان میں نفرتوں کی یہ بوڑھی گنگا ہمیشہ کے لیے حائل نہ ہوتی۔

ہندوستان کی قید میں آرمی آفیسر جو کبھی غرور اور تمکنت کی مثال تھے یہ تصویر اذیت دہ ہی نہیں عبرت ناک بھی ہے کہ ان سے کسی فوجی کے شایانِ شان عزت کی موت بھی چھین لی گئی اور اس فوجی کی غیرت کو للکارا تی رہی جو بھارتی فوجی سے بندوق چھین کر انہی پر اندھا دھند فائرنگ کرنے لگتا ہے اور شہید کر دیا جاتا ہے۔

یہ کتاب اس دکھ کا شجر ہے۔ جو پھلتا پھولتا چلا گیا ہے اس میں ظالم دسمبر کی وہ داستان ہے جو بار بار دہرائی گئی ہے لیکن اس کا کرب ناگہانی صدمے کی طرح ہر بار جھنجھوڑ ڈالتا ہے۔ عوام پر پھینکا جانے والا، مکر جال اپنی تمام تر سنگینیوں کے ہمراہ اس کتاب میں پھر تازہ دم ہوجاتا ہے۔

دشمن سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اخلاقیات اور قوانین کا پاس رکھے اور ہماری کمزوریوں سے فائدہ نہ اٹھائے غالباً فوجی آئین کی کسی کتاب میں ایسی کوئی شق لکھی نہیں گئی ہوگی یہ داستان اس نکتہ کی تفسیر ہے کہ ہم سے جونہی موقع کی چوک ہوئی دشمن نے سرعت سے بڑھ کر اس موقع کو حاصل کرلیا۔ مشرقی پاکستان کو ہم نے چوکی بہ چوکی، مورچہ بہ مورچہ انچ بہ انچ جس طرح گنوایا ہے یہ کتاب اس کے ہر انچ، ہر مورچے اور ہر چوکی کی گواہ ہے۔

پھر بھارتی قید میں گزرے ڈھائی سال امید و ناامیدی کی اعصاب شکن جنگ۔ وہی بچ پائے جو مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی ہوئی یا نہ ہوئی یہ ایک اضافی بات ہے۔ کسی فوجی کے لیے اس سے تکلیف دہ امر کیا ہوگا

کہ وہ اپنی زمین گنوا بیٹھا جس کی حفاظت کا حلف اس نے اٹھا رکھا تھا۔

اس مضبوط اعصاب کے مالک کی اگلی کہانی ''اسیری سے امیری تک کا سفر ہے امیر ہونے کا یہ راستہ جو طے کرنا چاہے ان کے لیے کتاب کا یہ حصہ بھی راہبری ہے۔لیکن میرے لیے تو یہ کتاب وہیں تمام ہوگئی جب میں نے لہو سے بھرے ڈاب پیئے اور پوکھر، ندیاں کیلے کے باغات سنہری ریشے کے سونا بھرے کھیت الائچی کے بلند پیڑ، شپلا کے پھول، کرشنا چورا کے پیڑ، سٹون ایپل اور نارکل کے میٹھے پھل چھن جانے کی داستان سنی اور خون کے آنسو سیدھے ریشہ دل کی آبیاری کرتے رہے۔اس داستان کا پہلا حصہ بھرپور اور رولا دینے والا اور قاری کو خود میں جذب کر دینے والا ہے اور اس حقیقت کی غمازی بھی کرتا ہے کہ ہر فوجی کی زندگی میں اتنا کچھ ضرور ہوتا ہے کہ اس پر ایک بھرپور کتاب لکھی جا سکے اور پھر یہ بھرپور کتاب یقیناً پڑھنے کے لائق بھی۔

میجر صاحب ایک حساس دل رکھنے والے فوجی ہیں یعنی آہنی لباس کے اندر احساسات و محسوسات سے بھرپور انسان جو حسن اور حسین مناظر سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے محبت بھی کرتا ہے لیکن اس کی محبت کی راہ میں جب مشرقی پاکستان کا بلاوا آتا ہے تو اپنی محبت کو آزاد کر دیتا ہے کہ انتظار مت کرنا کیونکہ موت اور زندگی کے معرکے میں اکثر موت بازی مار جاتی ہے۔

جو سنہری ریشے کی سرزمیں کو خون رنگ میں ڈوبتے دیکھ کر دکھ محسوس کرتا ہے اور مرمٹنے کے جذبے پر ہتھیار پھینک دینے کا حکم بھارتی فضائیہ کے بم کی طرح ناگہانی آن گرتا ہے۔ یہ سبھی مراحل اس مرد آہن کے دل کی نازک دھڑکنیں ہمیں سنانے کو کافی ہی نہیں۔ بلکہ ہماری دھڑکنیں بھی اس کے ردھم میں بج اٹھتی ہیں یوں یہ کتاب ایک سمفنی ہے۔ جو ہمارے احساسات و جذبات کو بھی اپنے سوز و ساز میں سمو لیتی ہے

☆.....☆.....☆

''میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' تاریخی تناظر میں

ماجد مشتاق رائے

Majid Mushtaq Rai

Lecturer, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

سعدیہ مشتاق

Sadia Mushtaq

M.Phil Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Fall of Dhaka is an important chapter of the History of Pakistan. In this regards there are different intellectuals made some historical views. Sidique Salik is one of them. He is part of that military team who had served in East Pakistan and made their efforts to calm down the situation at that time. He also wrote detailed situation in this historic movement. Int this article, light thrown on those aspects which create the worst situation in East Pakistan. It is a humble effort to show some hidden facts of the history.

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں تقسیم ہند کے بعد دوسرا اہم ترین واقعہ سقوطِ ڈھاکہ ہے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کی تاریخ جہاں اس مملکتِ خداداد کی تاریخ کا اندوہ ناک واقعہ ہے وہیں ہمارے اکابرین کے اعمال کے محاسبے کا دعوت نامہ بھی۔ اس عظیم سانحے کے بعد حمود الرحمٰن کمیشن قائم کیا گیا اور پھر پاکستان میں بننے والے دیگر ایسے کمیشنز کی طرح اس کی رپورٹ بھی ردی کی ٹوکری کی زینت بنی۔ اس کی بڑی وجہ اس کمیشن کی رپورٹ کے منظرِ عام پر آنے میں غیر منطقی و غیر فطری دیر بھی تھی۔ اگر پاکستانی تاریخ کے بارے میں سنجیدگی کا طرزِ عمل اپنایا جاتا تو زیرِ نظر کتاب ایک اہم دستاویز کی صورت میں موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں منظرِ عام پر آئی ہے جسے بعد ازاں انگریزی سے اُردو ترجمہ کر کے پیش کیا گیا۔ اس کتاب کے مصنف بریگیڈیئر صدیق سالک سقوط ڈھاکہ کے عینی شاہد ہیں اور بطور کمیشنڈ آفیسر انھوں نے حقائق سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو کہ بالترتیب سیاسی اُفق، خانہ جنگی، جنگ کے عنوان سے ہیں جبکہ چوتھا حصہ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔

مصنف نے ذیلی عنوان ایک جان دو قالب، میں مجیب الرحمٰن کی تقریر کا ذکر کیا جس میں ٹیپ کی صورت میں مجیب کی